باب۔۹

ترجمہ

فص یوسفیہ

حکمت نوریہ

یہ حکمت نوری ہے۔ اس میں وہ علوم معارف بیان کیے جاتے ہیں جو عالم مثال سے متعلق ہیں۔ عالم خیال میں ایک نور منبسط اور پھیلتا ہے۔ وہ لوگ جن پر خدائے تعالیٰ کی عنایت اور توجہ خاص ہوتی ہے، یعنی پیغمبر اور اولیا، ان کی وحی و کشف کی ابتدا رویائے صادقہ ہی سے ہوتی ہے۔ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں (کہ) پہلے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی شروع ہوئی تھی رویائے صادقہ تھے۔ پھر جو خواب حضورؐ دیکھتے تھے وہ ایسے صاف صاف ظاہر ہوتے تھے جیسے صبح صادق۔ حضرت عائشہؓ نے جو بیان کیا اتنا ہی تھا، کچھ اور نہ تھا۔ غرض کہ ایسے خواب حضورؐ کو چھے مہینے تک نظر آتے رہے۔ پھر آپ کے پاس فرشتہ آیا۔ {ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ} حضرت عائشہ یہ نہ جانتی تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، **انّ الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا**، (یعنی) لوگ سوتے ہیں تو بیدار ہوں گے۔۔۔ ایک شاعر کہتا ہے:

العیش نوم والمفیسیۃ یقظۃ والمرء بینھما خیال ساری

زندگی ایک خواب ہے، مرنا بیداری ہے، اور آدمی ان دونوں کے درمیان چلتا پھرتا خیال ہے

پس حضورؐ جتنی چیزیں کہ بیداری کے وقت دیکھتے تھے وہ اسی قسم کے خواب تھے، اگرچہ حالات مختلف ہوتے رہے۔ پھر حضرت عائشہؓ کے قول کے موافق چھے مہینے کہاں رہے، بلکہ حضورؐ کی تمام عمر کی بھی یہی حالت ہے کہ دنیا حقائق و اعیانِ ثابتہ کا خواب ہے اور حضورؐ کا خواب دیکھنا خواب در خواب ہے۔ معلوم ہے کہ جبرئیلؑ آنے سے پیشتر بکثرت رویائے صادقہ نظر آنا، جو ابتدائے حالت کے لحاظ سے نئی چیز تھی، چھے مہینے تک تھا۔ پھر فرشتے کا آنا بھی معمول کی بات ہو گئی تھی۔

جتنے واقعات کہ اس قبیل کے ہوتے ہیں ان کا نام عالم خیال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان امور کی تعبیر ہوتی ہے جو ہیں فی الحقیقت ایک صورت پر، مگر خواب میں وہ ظاہر ہوتے ہیں ایک دوسری صورت میں۔ پھر معبر

یعنی تعبیر دینے والا اُس صورت سے جس کو اس نے خواب میں دیکھا ہے، اُس صورت کی طرف تجاوز و عبور کر جاتا ہے جس پر وہ اصل میں ہے۔ یعنی مجاز اور صورتِ استعارہ سے حقیقت کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ بشرط یہ کہ اس نے تعبیر صحیح دی ہو۔ جیسے علم، دودھ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ پھر حضورؐ نے اس کی تعبیر دی اور فرمایا کہ اس دودھ کی صورت کی تعبیر و تاویل " علم " ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تو معمولی محسوسات کی طرف توجہ سے روک دیے جاتے یعنی ایک قسم کی بے ہوشی ہو جاتی۔ حضورؐ پر کمبل اُڑھا دیا جاتا اور آپ حاضرین سے بے خبر و غائب ہو جاتے، اور جب آپؐ سے یہ حالت دور ہو جاتی، پھر محسوسات کی طرف دوبارہ متوجہ کر دیے جاتے۔

آپؐ نے حالتِ وحی میں جو کچھ دیکھا، وہ عالم خیال ہی دیکھا۔ مگر اس وقت حضورؐ کو نائم یا خوابیدہ (یعنی سونے کی حالت میں) نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح جب آپؐ کے پاس فرشتہ آدمی کی صورت میں آتا تھا تو وہ بھی عالم خیال تھا۔ اس لیے کہ وہ دراصل آدمی نہیں فرشتہ تھا۔ یا یوں کہو کہ وہ فرشتہ تو ہے مگر آدمی کی صورت میں آیا ہے۔ مگر ناظر عارف (محمد) صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچانا، تعبیر دی اور اس کی حقیقت کو پہنچ گئے۔ اور فرمایا کہ یہ جبرئیل ہیں۔ تمھارے پاس تم کو تمھارے دین کی باتیں سکھانے کو آئے تھے۔ اور حاضرین کو آپ نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس واپس بلا لاؤ۔ پس اس کلام میں آپ نے اس صورت کے لحاظ سے جس میں وہ لوگوں کے پاس ظاہر ہوئے ان کا نام آدمی رکھا۔ پھر فرمایا کہ یہ جبرئیل ہیں۔ پس اس میں آپؐ نے اس خیالی آدمی کی حقیقت کی طرف رجوع کیا۔ یعنی جبرئیل کہا۔ اور آپؐ، آدمی اور جبرئیل دونوں نام دینے میں سچے تھے۔ آدمی کہنے میں بصارت کی تصدیق کی اور جبرئیل کہنے میں بصیرت کی تصدیق کی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا، إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ، (یعنی) میں نے گیارہ ستارے اور آفتاب و ماہتاب کو دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں، (یوسف:۴)۔ پس آپ نے بھائیوں کو ستاروں کی صورت میں دیکھا اور والد {یعقوبؑ} اور خالہ کو آفتاب اور ماہتاب کی صورت میں دیکھا۔ یہ رویا و خواب یوسفؑ کی طرف سے تھا اور یہ صورتیں بھی حضرت یوسفؑ کے خزانۂ خیال کی تھیں۔ اگر مرئی یعنی بھائیوں کی طرف یہ صورتیں ہوتیں تو ان کے بھائیوں کا ظہور ستارے کی صورت میں اور والد و خالہ کا ظہور آفتاب و ماہتاب کی صورت میں ان کی مراد کے موافق اور ان کو معلوم ہوتا۔ لیکن جب ان کو یوسفؑ کے خواب کی خبر نہ ہوئی تو حضرت یوسفؑ کا ادراک و دریافت کرنا خود ان کے خزانۂ خیال میں سے تھا۔

جب یوسفؑ نے اس خواب کا قصہ اپنے والد یعقوبؑ سے بیان کیا تو حضرت یعقوبؑ نے اس کو پہچان لیا۔ اسی لیے آپ نے فرمایا، يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا، (یعنی) اے پیارے بیٹے! تم اس خواب کو اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرو، تاکہ وہ تمھارے ساتھ کوئی بُرا مکر نہ کر بیٹھیں، (یوسف:۵)۔

پھر یعقوبؑ نے اپنے فرزندوں کی اس مکر سے بر اَت بیان کی (بَری کیا) اور اس مکر کو شیطان کی طرف لگایا۔ {دیکھو} یہ بھی تو مکر ہی ہے۔ آپ (یعنی حضرت یعقوبؑ) نے فرمایا ،إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ، (یعنی) شیطان، انسان کا کھلا دشمن ہے، (یوسف:۵)۔

پھر یوسفؑ نے بعد واقعہ، آخر میں فرمایا، هَـٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا، (یعنی) یہ میرے خواب کی تعبیر ہے، جو مجھے پہلے نظر آیا تھا اللہ نے اس کو صحیح کیا، (یوسف:۱۰۰)۔ یعنی اس کو عالم شہادت میں ظاہر کیا، بعد اس کے کہ وہ حضرت (یوسفؑ) کے خیال میں تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سب لوگ سو رہے ہیں جب مریں گے تو بیدار ہوں گے"۔ اس لحاظ سے یوسفؑ کا یہ قول (کہ) قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا، [(یعنی) اس خواب کو میرے رب نے سچ کر دیا، (یوسف:۱۰۰)] اس شخص کے کلام کے مماثل ہے کہ جس نے خواب میں خواب دیکھا، اور اس خواب در خواب ہی میں بیدار ہوا۔ اس کی تعبیر بھی دی مگر خواب ہی میں۔ اسے خبر ہی نہیں کہ نیند میں ہوں اور ہنوز نیند دور نہیں ہوئی۔ اور جب وہ اصل میں جاگے گا تو کہے گا کہ میں نے نیند میں ایسا خواب دیکھا۔ اور یہ بھی دیکھا کہ گویا میں خواب سے جاگ گیا ہوں، اور اس خواب کی یہ تعبیر دی ہے۔۔۔ اب تم ہی دیکھو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ادراک میں اور حضرت یوسفؑ کے ادراک میں {جس وقت انھوں نے فرمایا، هَـٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا} کتنا فرق ہے۔۔؟ اس آیت کے معنیٰ تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس خواب کو جو حضرت (یوسفؑ) کے خیال میں تھا، عالم شہادت و حس میں ظاہر کر دیا، حالاں کہ یہ صور پہلے ہی محسوسات میں تھے۔ خیال ہمیشہ محسوسات ہی کو بتاتا ہے اور خیال کا اصل، محسوس ہی ہوتا ہے۔ خیال، محسوسات کے سوا معقولات کو نہیں بتاتا۔ فانظر ما اشرف علم ورثۃ محمد، (یعنی) دیکھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثوں کا علم کیسا شریف اور اعلیٰ و افضل ہے۔ میں یوسفِ محمدی کی زبان سے عالم خیال کی تحقیق میں مزید تقریر بسط و تفصیل سے کروں گا تاکہ تم کو پوری واقفیت حاصل ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

واضح ہو کہ جس کو ماسواء اللہ اور عالم کہا جاتا ہے وہ اللہ سے ایسی نسبت رکھتا ہے جیسے شخص و عکس یا سایے میں۔ پس عالم، ظل اللہ ہے۔ پس یہی نسبت عالم کو وجود سے ہوئی، کیوں کہ جس میں ظل و سایہ موجود ہے۔ مگر ظل کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب وہاں کوئی شخص یا چیز ہو، جس پر وہ ظل پڑے۔ اگر ظل جس چیز پر پڑے اس کو معدوم فرض کریں تو ظل و عکس ایک عقلی بات رہ جائے گی، اور ظل اس میں موجود رہے گا۔ بلکہ ظل، ذی ظل میں یعنی اس میں جس کا یہ ظل ہے، بالقوہ رہ جائے گا۔ اب غور کرو کہ ظل وجود الٰہی یعنی حقیقت عالم کس پر پڑتا ہے۔؟ اعیانِ ممکنات پر۔ انھیں پر یہ ظل ممتد (دراز) اور چھایا ہوا ہوتا ہے۔

اس ظل وعالم میں سے اتنا ہی حصہ محسوس ومُدرک (یا سمجھنے والا) ہو گا جس پر ذاتِ حق سے وجود کا پرتو پڑا ہو۔ حق تعالیٰ تو نور ہے تو اس کا پرتو بھی نور ہی ہے۔ پس اسم اللہ، النّور سے ادراک وعلم حاصل ہوتا ہے۔

یہ ظل، اعیانِ ممکنات پر پڑتا ہے جو صور غیبیہ میں اور ماسوا کے پاس مجہول و نامعلوم (ہے)۔ دیکھو سایے میں سیاہی ہوتی ہے اور یہ اس کے بالذات نامعلوم ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ ظل (سایہ) اور ذی ظل (صاحبِ سایہ) میں ایک بعید مناسبت ہے۔ اگر ذی ظل یعنی وہ چیز جس کا سایہ پڑتا ہو سفید ہو تو بھی اس کا سایہ سیاہ ہی پڑتا ہے۔۔ دیکھو! جب پہاڑ ناظر کی نظر سے دور ہوتا ہے تو سیاہ ہی نظر آتا ہے۔ حالاں کہ اصل میں وہ اس رنگ پر نہیں ہے۔ اس رنگ کے سیاہ ہونے کا سبب بجز بُعد (یا فاصلے) کے کچھ اور نہیں۔ یا جیسے آسمان کی نیلگونی، (جو صرف دُوری کے سبب ہے)۔

یہ تو وہ ہے جو غیر روشن اجسام میں بُعد (یا فاصلے) نے نتیجہ بخشا ہے کہ دیکھنے میں وہ سیاہ معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح اعیانِ ممکنات بذاتہٖ روشن و منور نہیں ہیں کیوں کہ وہ بنفسہٖ معدوم ہیں۔ اگرچہ وہ حضرتِ علم میں ثبوت سے موصوف ہیں۔ مگر وہ وجود سے موصوف نہیں اس لیے کہ وجود ہی نور ہے۔۔۔ روشن اجسام، بُعد کی وجہ سے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ پس یہ بُعد کی دوسری تاثیر ہے۔ اسی واسطے حس، روشن اجسام کو دور سے چھوٹا دیکھتی ہے۔ حالاں کہ وہ فی نفسہٖ اپنی ذات میں اس مقدار سے بہت بڑے اور حجم میں اس سے بدرجہا زائد ہیں۔ چناں چہ ہم دلائل سے جانتے ہیں کہ مثلاً آفتاب، جَرم (یا ستاروں) میں زمین سے سات اور ۸/۳ گنا (یعنی ۷ء۳۷۵ گنا) بڑا ہے اور دیکھنے میں ایک سپر (یعنی ایک گول سی ڈھال) کے برابر معلوم ہوتا ہے۔ پس یہ بھی بُعد ہی کا اثر ہے۔ روشن اجسام (یعنی) ستارے وغیرہ کو، دور ہوں تو چھوٹے دکھلاتے ہیں، اور غیر روشن (اجسام) کو سیاہ یا نیلگوں۔

پس عالم میں سے اسی قدر حصے کا علم ہوتا ہے جتنا ظل یعنی سایے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ حق تعالیٰ کے متعلق اسی قدر جہل رہتا ہے جس قدر اُس شخص و جسم سے جس کا یہ سایہ ہے، اور جس سے نکل کر یہ چھایا ہے۔ پس اس اعتبار سے کہ وہ اس کا سایہ ہے معلوم ہے، اور اس لحاظ سے کہ وہ ذی ظل یعنی صاحبِ سایہ کی ذات میں اور صور و کمالات میں {جو مجہول ہیں} بالکل معلوم نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ بھی من وجہ معلوم ہے اور من وجہ مجہول ہے۔ (وہ) فرماتا ہے، أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ، (یعنی) کیا تم نے خدا کی طرف نہیں دیکھا کہ کیسے اس نے سایے کو پھیلا دیا، (الفرقان:۴۵)۔ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا، (یعنی) اگر وہ چاہتا تو اپنی ذات میں اس کو بالقوۃ ہی رکھتا، (الفرقان:۴۵)۔۔۔ (وہ) فرماتا ہے کہ حق تعالیٰ اس طرح نہیں ہے کہ جب وہ اعیانِ ممکنات پر

تجلی کرے تو ظاہر ہو۔ نہ تجلی کرے تو نہ ظاہر ہو۔ جیسے بعض ممکنات، کہ ان کے عینِ ثابتہ پر تجلی نہ ہونے کی وجہ سے وہ موجود ہی نہیں ہوئے۔ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا،(یعنی) پھر ہم نے اس سایے پر آفتاب کو دلیل اور دکھلانے والا بنایا،(الفرقان:۴۵)۔ یہاں آفتاب سے کیا مراد ہے۔۔۔؟ تجلیِ اسم نور ہے۔ جس کو میں نے پہلے بیان کیا ہے، اور حس اس کی شہادت دیتی ہے، کیوں کہ ظل کی کوئی ذات نہیں ہوتی۔ وہ عدم میں بے نور ہیں (تو) عدم کی کیا ذات ہوگی۔۔۔ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا،(یعنی) پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف واپس کر لیتے ہیں،(الفرقان:۴۶)۔ ظل کو اپنی طرف کھینچ لینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کا سایہ و ظل ہے۔ اُسی سے ظاہر ہوا اور اُسی کی طرف واپس اور راجع ہوا۔وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ،(یعنی)ہر شئے کا مرجع وہی ہے،(ھود:۱۲۳)۔ ظل اور ذی ظل کو دیکھو تو ایک طرح سے دونوں ایک ہی ہیں، بالکل غیر نہیں ہیں۔ تم جو دیکھتے اور ادراک کرتے ہو وہ حق تعالیٰ ہی کا وجود ہے جو اعیانِ ممکنات و صور علمیہ میں ظاہر ہوا ہے۔

ہویت اور ذات و حقیقتِ حقہ کے لحاظ سے دیکھو تو وہ ظل بھی وجود حق ہے۔ اور باعتبار اس صورتوں کے اختلاف کے وہ ممکنات کے اعیان ہیں۔ اور جیسے کہ صورتوں کے اختلاف کی وجہ سے اس سے ظل کا نام زائل نہیں ہوتا اسی طرح صورتوں کے اختلاف کی وجہ سے اس سے عالم اور غیر حق کا نام بھی دفع نہیں ہوتا۔

ظل کے ایک ہونے اور اس کی احدیت کے لحاظ سے وہ ظل عینِ حق ہے کیوں کہ وہی واحد، احد ہے اور بحیثیت ظل میں کثرتِ صور کے وہی عالم اور جہان ہے۔ میں نے جس مسئلے کی تحقیق و توضیح کی اس کو خوب سمجھو۔

جب وجود کا یہ حال ہے، جیسا میں نے تم سے ابھی ذکر کیا، تو عالم محض وہمی امر ہے۔ اُس کا حقیقی و بالذات وجود نہیں۔ خیالی و وہمی کے یہی معنیٰ ہیں۔ یعنی یہ ایک وہمی و خیالی بات ہوگی اگر تم سمجھو کہ عالم ایک زائد شئے ہے اور حق تعالیٰ سے خارج اور بنفسہٖ قائم ہے۔ مگر نفس الامر میں دراصل عالم، حق تعالیٰ سے جدا نہیں۔ دیکھو ظل، ذی ظل سے (یا) سایہ اس چیز سے ملا ہوا ہے جس سے یہ سایہ پھیلا ہوا ہے۔ اور ظل کا انفکاک و جدائی ذی ظل سے محال (ہے)۔ اس لیے کہ ہر شئے کا اپنی ذات سے انفکاک و جدائی جائز نہیں۔

اب تم اپنے عین کو پہچانو کہ تم کون ہو۔۔؟ تمھاری ہویت و حقیقت کیا ہے۔۔؟ تم کو حق تعالیٰ سے کیا نسبت ہے۔۔؟ کس جہت سے تم حق ہو۔۔؟ کس جہت سے تم عالم ہو۔۔؟ اور کس اعتبار سے تم اس کے غیر ہو، اور ماسوا اور غیر ہو۔۔؟ اس علم میں علما متفاوت ہیں (ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے)۔ بعض کو تھوڑا علم ہے، بعض کو زیادہ۔ حق تعالیٰ بعض اظلال کے اور سایوں کے لحاظ سے صغیر و کبیر اور

صاف وصاف تر معلوم ہوتا ہے۔ جیسے نور کو گلوب (یعنی بلب) کی نسبت سے دیکھو کہ گلوب کے رنگ سے رنگین معلوم ہوتا ہے۔ دراصل اس کا کوئی رنگ نہیں، مگر شیشے کے رنگوں کی وجہ سے مختلف رنگوں کا دکھائی دیتا ہے۔

ہر جام کا رنگ گو جدا ہے   پر مے سے ہے کون جام خالی

یہ ایک مثال ہے تمھاری اور حق تعالیٰ کی۔ اب اگر تم کہو (کہ) نور شیشے کی سبزی کے سبب سبز ہے تو تم سچ کہتے ہو اور اس وقت تمھارا شاہد " حس " ہے۔ اور اگر تم کہو کہ نور سبز نہیں ہے اور اس کا فی الحقیقت کوئی رنگ نہیں۔ یہ تم کو دلیل سے ثابت ہوتا ہے تو بھی تم سچ کہتے ہو۔ اس وقت تمھارا شاہد " نظر عقلی " صحیح ہے۔۔۔ پس یہ نور ظل سے ممتد اور پھیلا ہوا ہے اور یہ ظل خود شیشہ ہے۔ پس وہ شیشہ اپنی صفائی کی وجہ سے ظل نوری ہے۔

ایسا ہی عرفا میں سے جو حق سے وابستہ ہیں، ان میں سے بعض میں صورت و ظہور کمالاتِ حق زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ حق تعالیٰ ان کا سمع و بصر اور کل قویٰ و جوارح (ہاتھ پاؤں) و اعضا ہوتا ہے۔ کیوں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی خبر دی ہے۔ اس کے ساتھ بھی عین ظل باقی رہتا ہے۔ اس لیے کہ کنت سمعه وبصره {جو حدیث میں وارد ہے}[یعنی میں اس کی سماعت اور بصارت ہو جاتا ہوں، (صحيح البخاري، فتح الباري، تحفة الأحوذي)]، میں ضمیر اسی بندے کی طرف عَود کرتی ہے۔ دوسرے بندے اس طرح نہیں ہیں۔ اس بندے کو اور لوگوں سے حق تعالیٰ کے وجود سے زیادہ قرب کی نسبت ہے۔

جب واقعہ ایسا ٹھیرا جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو تم، ایک خیال ہوئے۔ اور تم جن جن کا ادراک کرتے ہو اور جن کو غیر حق کہتے ہو وہ سب بھی خیال ہی ہوئے۔ تمام موجودات اور وجودِ کونی، خیال در خیال ہوئے۔ وجودِ حق باعتبار اپنی ذات و عین و شخص کے عینِ ذات ہوا۔ یہ حکم باعتبار اس کے اسما کے نہیں ہے، کیوں کہ اس کے اسما کے دو مدلول ہیں۔ ایک مدلول وہ ہے جو اس کا عین اور ذاتِ حق ہے، اور یہ مسمّٰی کا عین ہے۔ دوسرا مدلول وہ ہے جس پر اسم دلالت کرتا ہے اور اس کے لحاظ سے ایک اسم دوسرے اسم سے جدا اور ممتاز ہے۔ دیکھو کہاں غفور ہے اور کہاں منتقم۔ کہاں معنیٰ ھو الظاہر ہے اور کہاں معنیٰ الباطن۔ کہاں اوّل اور کہاں آخر۔

اب تم کو معلوم ہو گیا کہ وہ کونسی جہت ہے جس سے ایک اسم دوسرے اسم کا عین ہے، اور وہ کونسی جہت ہے جس سے ہر اسم دوسرے کا غیر ہے۔ پس جس اعتبار سے کہ وہ مدلول اس کا عین ہے وہ حق ہے، اور جس اعتبار سے کہ وہ اس کا غیر ہے، اعتباری، واقعی اور خیال محقق اور وہمی نفس الامری ہے۔

سبحان اللہ کیا پاک ہے وہ ذات جس کی دلیل خود اس کا نفس ہے اور اس کی ہستی خود اس کی ذات سے ثابت ہوتی ہے۔ وجودِ حقیقی میں احدیت کے سوا کچھ نہیں۔ جو شخص کثرت کے ساتھ ٹھیر گیا وہ عالم کے ساتھ اسمائے الٰہیہ و اسمائے عالم کے ساتھ رہ گیا۔ جو احدیت کے ساتھ وابستہ رہا اس کی ذات، جو دو جہانوں سے غنی ہے {مگر اس کے ظہورات سے متعلق نہ رہا} حق تعالیٰ کے ساتھ رہا، اُس وقت اُس کو حق تعالیٰ کی معیت اس کے اسماوصور کے اعتبار سے نہ ہو گی بلکہ ذات کے لحاظ سے ہو گی۔ جب حق تعالیٰ عالم والوں سے غنی ہے تو خود اپنے اسما سے بھی غنی ہے۔ اس لیے کہ اسمائے الٰہیہ جیسے ذاتِ حق پر دلالت کرتے ہیں ایسے ہی اپنے معنوں اور مفہومات پر بھی دلالت کرتے ہیں اور یہی بات ان اسما کے اثرات سے ثابت ہوتی ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰـهُ أَحَدٌ(یعنی) تم کہو وہ اللہ {باعتبار اپنی ذات و عین کے} احد اور ایک ہے۔ اللّٰـهُ الصَّمَدُ {اللہ تعالیٰ کی طرف ہمارے وجود و کمالات منسوب اور مستند ہیں، اور اس کے محتاج ہیں۔ لہٰذا} اللہ، صمد ہے یعنی (وہ) کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ لَمْ يَلِدْ،(یعنی) {باعتبار اپنی ذات اور حقیقت کے} کسی کو نہیں جنا۔ وَلَمْ يُولَدْ،(یعنی) اور {باعتبار اپنی ذات و حقیقت کے} کسی دوسرے سے پیدا نہیں ہوا۔ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ،(یعنی) اور {باعتبار اس کی ذات و ہویت کے} کوئی ہمسر و برابر نہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللّٰـهُ الصَّمَدُ سے اس کی ذاتِ مقدسہ کی تفرید (یعنی خصوصی فردیت) بیان کی گئی ہے۔ اس کے صفات سے جو ہم کو معلوم ہیں، اس کے کمالات کی کثرت معلوم ہوئی، مگر اس کی طرف مستند رہتے ہیں۔ ہم لوگ ایک دوسرے کے قرابت دار ہیں۔ وہ "ایک" یعنی ذاتِ احدیت ان صفات سے غنی و بے پرواہے، جیسے وہ ممکنات و مخلوقات سے غنی اور ان کا غیر محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حسب و نسب سب اس سورۃ میں ہے جس کا نام سورۃ الاخلاص ہے۔ اسی بارے میں یہ سورۃ اتری بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی احدیت جو باعتبار اسمائے الٰہی کے ہے اور جس کے ہم مظاہر ہیں اجمالاً کثرت کی طالب ہے۔ ان کے محاورے میں احدیتِ کثرت، اجمالاً کثرت اور واحدیت کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس احدیت کو جو ممکنات اور خود اپنے اسما سے غنا (و) بے پروائی کی جہت سے ہے، احدیتِ عین یا مطلق احدیت کہتے ہیں۔ کبھی دونوں مرتبوں پر احدیت کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔

اے طالبانِ معرفت! اس کو خوب جان لو، پہچان لو کہ اللہ نے اظلال کو بنایا اور سر افگندہ کیا اور داہنے بائیں سے اس کو پلٹایا، تاکہ وہ تمھارے لیے خود تم پر دلیل ہو۔ تم پہچانو کہ تم کون ہو۔؟ تم اپنے عین کا ظل ہو۔ ظاہر وجود اس کے احکام سے منصبغ و رنگین (اور آب و تاب والا) ہے۔ تمھارا عینِ ثابتہ ذات، ذاتِ حق کا ظل ہے۔

ذاتِ حق مختلف شانوں اور حالات سے متلبس (وملبوس) ان میں پوشیدہ ہے، جو شیون سے متلبس ہے۔ تم کو حق سے کیانسبت ہے۔۔۔؟ تم کو اس کی طرف ایسی احتیاج ہے جیسے ظل کو شخص کی طرف احتیاج ہوتی ہے۔ حق کو تم سے کیانسبت ہے۔۔؟ حق بذاتہٖ غنی ہے، جیسے شخص ظل سے غنی ہوتا ہے۔ اس سے حق کو اپنے اسماو صفات کے ظہور میں تمھاری طرف ایک قسم کی احتیاج ہے۔ جیسے شخص کو ایک خاص قسم کے ظہور میں ظل کی احتیاج ہے۔۔ اور کہاں سے اور کس حقیقتِ الٰہی سے ماسوائے حق کو حق کی طرف احتیاج کلی ہوئی اور وہ اس فقر سے متصف ہوا۔ اور کہاں سے اس کو فقر نسبی و اضافی بعض کو بعض کی طرف احتیاج ہونے سے حاصل ہوئی اور اس سے وہ موصوف ہوا۔ تاکہ تم کو معلوم ہو کہ کہاں سے اور کس حقیقت سے حق تعالیٰ لوگوں سے غنا کی صفت سے موصوف ہوا۔ کہاں سے وہ اہلِ عالم سے غنی ہوا، اور عالم غنا سے متصف ہوا۔ یعنی عالم کے بعض اجزا کو بعض سے اسی جہت میں غنا ہے جس میں اس کو اسی سبب سے اقتضا ہے۔ کیوں کہ عالم کو اسباب سے بڑا سبب اس کے لیے حق کی سببیت ہے۔ عالم، اللہ کی طرف احتیاج میں سوائے اسمائے الٰہی کے اور کوئی سبب نہیں۔ اسمائے الٰہیہ میں سے ہر ایک اسم ایسا ہے کہ عالم اس کی طرف محتاج ہے۔ عام اس سے کہ وہ اسم اعیانِ موجودہ سے ہو یا عین ذاتِ حق ہو۔۔۔ اس واسطے حق تعالیٰ نے فرمایا، يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّـهِ وَاللَّـهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ، (یعنی) اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی غنی اور {جمیع صفات کے لحاظ سے} قابل تعریف و حمد ہے، (فاطر:۱۵)۔ یہ بات ظاہر ہے (کہ) ہم لوگوں میں بعض کو بعض کی حاجت ہے۔ اس واسطے ہمارے اسما یا ہماری ذات میں اللہ تعالیٰ ہی کے اسما ہیں۔ اس لیے کہ ان ہی کو صرف احتیاج و افتقار (یا ضرورت) ہے۔ ہمارے اعیانِ نفس الامر میں اسی کے اظلال ہیں، اس سے غیر نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ باعتبار اطلاق و حقیقت کے ہماری عین ہویت و ذات نہیں۔ پس وہ ایک اعتبار سے عین ہوا اور ایک اعتبار سے غیر ہوا۔

ہم نے طریقۂ معرفتِ حق تعالیٰ ہموار و درست کر دیا۔ اب تم خوب غور و فکر کرو۔ اللہ، حق کہتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔